لسان الحکمۃ شمس العلماء

مولانا محمد عبد الرحمٰن

شاطر مدراسی

از

سید احمد اللہ قادری

اڈیٹر تاریخ

مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد
۱۹۳۴ء

لسان الحکمۃ شمس العلماء

مولانا محمد عبدالرحمن

شاطر مدراسی

از

سید احمد اللہ قادری

اڈیٹر تاریخ

مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد
۱۹۳۴ء

میں اس مختصر مضمون کو

آنریبل خان بہادر مولوی محمد فضل اللہ صاحب

سی، آئی، ای۔ او، بی، ای

چیرمین سروس کمیشن مدراس

کے نام نامی و اسم گرامی سے اس لیے منسوب

کرتا ہوں کہ

موصوف حضرت شاطر کے ساتھ خلوص قلبی

رکھتے ہیں

لسان الحکمۃ شمس العلماء مولوی عبدالرحمن شاطر مدراس کے باکمال شاعر جن کا مشربِ صوفیانہ اور مسلک فلسفیانہ ہے اپنے اعلیٰ مذاقِ سخن کے باعث ہندوستان میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں ۔ ان کا کلام قدیم اور جدید تحقیقات کا آئینہ ہوتا ہے ۔

حضرت شاطر بڑے عالی خاندان بزرگ ہیں آپکے دادا نواب سکندر جنگ بہادر نواب عظیم جاہ پرنس آف آرکاٹ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے ۔ نواب انورالدین خاں شہید آپکے دادا کے پرنانا تھے آپکی دادی صاحبہ نواب والاجاہ کی نواسی آپکی نانی صاحبہ نواب اعظم جاہ کی صاحبزادی اور نواب عظیم الدولہ کی پوتی تھیں آپکے والد بزرگوار خان بہادر مولوی عبدالغنی خاں ایک زبردست عالم تھے جنہوں نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو سترہ سال کی عمر میں فارسی میں نظم کیا تھا ان کا ایک عربی قصیدہ صنعت عاطلہ میں مشہور ہے یہ مدراس یونیورسٹی کے فیلو اور میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں ۔

حضرت شاطر کے والد بزرگوار کا ننھیال حیدرآباد میں بڑا معزز گنا جاتا ہے ۔ نواب منیر الملک بہادر (داماد میر عالم) اس خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ حضرت شاطر کے اجداد سے فرخ شاہ اور سلیمان شاہ فرمانروائے کابل بھی تھے ۔

حضرت شاطر کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت ناصرؒ پر منتہی ہوتا ہے ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے نواسے تھے ۔

حضرت شاطر کو حضرت سید شاہ حسینی قادری المتخلص بہ قحرم سے بیعت حاصل ہے شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لیتے ۔

فیضِ حق را کمینہ شاگردیم　　　عقلِ کل را بہینہ فرزندیم

سنہ ۱۸۹۰ء سے آپکو خاندانی اعزاز کے صلہ میں پولٹیکل پنشن ملا کرتی ہے سنہ ۱۹۰۵ء میں آپ نے اعلیٰ حضرت غفرانمکاں کے جوبلی دربار میں ایک قصیدہ پڑھا تھا جسے سرکار نے بیحد پسند فرمایا سنہ ۱۹۰۹ء سے مدراس یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹیڈیز کے ممبر اور سنہ ۱۹۱۱ء سے ممتحن ہیں اسی سال گورنمنٹ نے آپ کو سرٹیفکٹ آف آنر عطا فرمایا سنہ ۱۹۱۳ء سے پرنس آف آرکاٹ کے ایجنٹ اور سنہ ۱۹۱ء سے آنریری مجسٹریٹ ہیں اور اسی سال گورنمنٹ نے آپکو مسلمانوں کا نمائندہ مقرر کر کے وزیر ہند اور وایسرائے بہادر سے گفتگو کرنیکا موقع دیا سنہ ۱۹۱۹ء میں پبلک سٹی کانفرنس کے رکن ہوئے سنہ ۱۹۲۰ء میں آپکی خدمات اور قابلیت کے اعتراف میں مدراس کے مسلمانوں نے لسان الحکمۃ کا خطاب ایک ایڈریس کے ساتھ پیش کیا۔

اس جلسہ کے انعقاد کے لئے جو اشتہار جاری ہوا تھا اُس پر ۹۴ معززین مدراس کے دستخط ثبت تھے جسکی تائید ہز اکسیلنسی سر محمد عثمان کے۔ سی۔ آئی۔ ای حال گورنر مدراس نے فرمائی تھی۔ آنریبل سر حبیب اللہ اس کے میر مجلس تھے۔ جسٹس سر عبد الرحیم اور سر سی پی راماسوامی نے بھی اس جلسہ میں شرکت فرمائی تھی۔ اسکے دو ماہ بعد جون میں گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ سنہ ۱۹۲۰ء سے آپ میسور یونیورسٹی کے ممتحن اور بورڈ کے ممبر ہیں سنہ ۱۹۲۲ء میں جب پرنس آف ویلز مدراس رونق افروز ہوئے تو یونیورسٹی کیجانب سے آپ خاص طور پر پیش کئے گئے اس موقع پر ایک فارسی نظم پڑھی جسکے صلہ میں خلعت اور تمغہ سے سرفراز ہوئے سنہ ۱۹۲۲ء میں مدراس کے ایک عربی مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا اور اسی سال گورنمنٹ کے فارسی مترجم ہوئے سنہ ۱۹۲۲ء میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس نے پنڈتوں کے ساتھ آپکو خلعت عطا کی سنہ ۱۹۲۴ء میں آپ بورڈ آف اگزامنرس کے چیرمین ہوئے اسکے علاوہ اندھرا یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے ممبر بھی ہیں۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں ہمارے بادشاہ ذیجاہ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ مدراس تشریف لے گئے تو آپکی صاحبزادیوں نے فارسی میں قصائد لکھکر گزرانے جنھیں سرکار نے قبولیت کا شرف بخشا۔

آپکا خاندان علم وفضل کے لحاظ سے جنوب میں ضرب المثل ہے آپکے دو فرزند ہیں

انکو بھی شعر گوئی سے شوق ہے۔ چھوٹے صاحبزادے آجکل یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

آپکی تصنیفات میں "مثنوی اعجازِ عشق" ادبی حلقوں میں خاص شہرت رکھتی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں اسکا ضمیمہ بھی شایع ہوا اسکے علاوہ ایک منظوم رسالہ "احسانِ عشق" ہے جس میں شعری الہامات، رباعیات اور نعتیہ کلام ہے ۱۹۱۰ء میں "گلدستۂ شاطر" کے نام سے کلام کا مجموعہ بھی چھپا ہے۔

اعجاز عشق آپکی وہ معرکتہ الآرا نظم ہے جس نے اُردو شاعری میں انقلاب پیدا کیا اور مولانا حالی، علامہ شبلی، ڈاکٹر ذکاء اللہ، سر امیر علی، نواب عماد الملک، سر اقبال، علی حیدر طباطبائی، عبد الحلیم شرر، وحید الدین سلیم، غلام قادر گرامی جیسے عُلماء و اساتذہ فن سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

حضرت شاطر سب سے پہلے جنوبی شاعر ہیں جنھوں نے شاعر کی حیثیت سے شمال میں بھی ایک غیر معمولی درجہ حاصل کیا۔

مولانا حالی کا آپکی نسبت خیال ہے کہ آپکی شاعری ترقی کر کے درجہ کمال تک پہنچ گئی ہے۔ آپکے بعض اشعار پر خود مولانا حالی کو رشک آتا تھا کہ ایسا نرالا اندازِ بیان انھیں نصیب نہیں ہوا، حالی نے آپکے اس شعر کی بیحد تعریف کی ہے۔

بے محل اُٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم
کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلقِ لیل و نہار

شررِ مرحوم نے مندرجۂ ذیل شعر کو الہام کہا ہے۔

حرکتِ قصری ہی بیشک ذاتِ قادر پر دلیل
گیند اُچھالے ہیں یہاں دستِ قضا نے بیشمار

شرر کا آپکی نظم کے متعلق خیال ہے کہ اردو کی بیمثل نظموں سے ہے۔

گرامی آپ کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں کہ الہامات ہیں۔

اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی اعجاز عشق پر جن علماء نے تقاریظ لکھے ہیں، انہیں سے چند اقتباس ذیل میں پیش کئے جائیں تاکہ بیش قیمت آرا کا بھی اظہار ہو سکے۔

شبلی (۲۱؍ مارچ ۱۹۰۵ء اعظم گڈھ) !

” میں مُدت سے آپکی قادر الکلامی اور خوش فکری کا معترف ہوں آپکے کلام میں فلسفیانہ خیالات جس خوبی اور برجستگی سے ادا ہوتے ہیں اسکی مثالیں اردو میں بہت کم ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد ایل-ایل-ڈی (۲۳؍ جولائی ۱۹۰۵ء دھلی)

” ایسا کلام ہندوستانیوں کے لئے مشکل اور مدراسیوں کے لئے محال “

نواب عماد الملک بہادر (۵؍ اپریل ۱۹۰۵ء حیدر آباد)

” اعجاز عشق کی جسقدر تعریف کیجائے تھوڑی ہے مضامین و الفاظ دونوں کے اعتبار سے اس نظم میں محاسن بے شمار ہیں۔ “

جسٹس سر امیر علی (۲۱؍ مئی ۱۹۰۵ء لندن)

” آپکے مضامین پڑھنے سے جو فرخندگی مجھے حاصل ہوئی اسکو بیان نہیں کرسکتا۔ میں بلا مُبالغہ عرض کرتا ہونکہ نہ صرف آپکے کلام اور شاعری کا مدّاح ہوں بلکہ جو عزت و احترام آپکا میرے دلمیں مُرتسم ہے وہ آپکے حکیمانہ خیالات اور یاریاک مبنی کا نیتجہ ہے۔

شاد عظیم آبادی (۴؍ اکتوبر ۱۹۰۳ء عظیم آباد)

” ایسے عمدہ مضامین کے ساتھ قصیدے اس زمانہ کے لوگوں میں کسی نے نہیں کہے ہیں یا میری نظر سے نہیں گزرے میں آپکے اشعار کی کہاں تک تعریف کروں حق یوں ہے کہ قلم توڑ دیا ہے۔

علی حیدر طباطبائی (۳۰؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء حیدر آباد)

” ساری نظم مُوتیوں سے بھرا ہوا دریا ہے اور چند اشعار کو پڑھکر کہنا پڑتا ہے کہ کان جوہر بے بہا ہے۔

پروفیسر عبدالغفور شہباز (۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء بھوپال)

- "میں آپکو ہندوستان کا حکیم سنائی سمجھتا ہوں"۔

وحید الدین سلیم (یکم مئی ۱۹۰۵ء پانی پت)

"عام شعراء کے طرزِ کلام سے آپکی طرزِ سخن کو کوئی نسبت نہیں ہے"۔

امجد علی اشہری (۲۵۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء لاہور)

میں نے دیکھا اک قصیدہ غیرتِ روئے نگار   نازِ گلشن روحِ بلبل رنگِ گل جانِ بہار
دیکھ لو دلی کی اُردو خیمہ زن مدراس میں   کاٹ ہر تلوار کی دیکھو لسانِ ذوالفقار
دخل کیا جو ہو زباں میں کوئی نامانوس لفظ   شعر تعقید و زوائد سے نہیں کوئی دوچار
بے نمک میں اک ملاحت پر نہیں یہ شورِ عشق   شہد میٹھا ہے مگر اتنا نہیں ہے خوشگوار
ہے سخن میں تازگی لیکن یہ نزہت ہے جُدا   پھول ہے رنگیں مگر ایسی نہیں رکھتا بہار
ہے قصیدہ کیلئے اِک خاص پیرایہ الگ   شوکتیں اِسکی نہیں ہوتیں غزل میں نہاں
دیکھ تو بھی شان اسکی لفظ و معنی سے عیاں   ہے وہی شانِ ادب جو شاعری کا ہے شعار
عشق کی صورت کو ڈھالا حُسن کے سانچے میں ہے   موم بنکر شمع کافوری ہوا ہے نُور بار
ہیں ادب آموز عالم جامہ ہائے فارسی   اس سے بھی فنِ ادب کی شوکتیں ہوں آشکار
شبلی و حالی و اکبر نے کیا اسکو پسند   آج ہیں یہ سب کے سب فضل و ادب کے یادگار

سر اقبال (۲۲۔ فروری ۱۹۰۵ء)

"اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں بندشیں صاف اور ستھری اور اشعار کا اندرونی درد مصنف کے چوٹ کھائے ہوئے دِل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ آپکا اسلوب بیان واقعی نرالا ہے اور آپکی صفائی زبان آپکے ہموطنوں کیلئے سرمایۂ افتخار ہے میرا تو یہ خیال تھا کہ آپ اصل میں ہندوستان کے رہنے والے ہونگے مگر یہ معلوم کر کے آپکی پرورش بچپن سے مدراس ہی میں ہوئی تعجب ہوا۔

گرامی (۱۴؍ اپریل سنہ ۱۹۰ء حیدرآباد)

”میں نے اعجازِ عشق کو مکرر پڑھا۔ میری رُوح خوش ہو گئی کیا یہ آپکا کلام ہے یا روحُ القدس کا عرض میری یہ ہے کہ آپکے اس کلام کی تقریظ رُوح القدس ہی کو لکھنی فرض ہے اور ممکن ہے کہ لوح و قلم میں اعجازِ عشق کی تقریظ رُوح القدس کے قلم سے لکھی گئی ہو ...... آؤ خاکِ مدراس میں ابُونصر فارابی اور رازی کو دیکھو انسان کی صورت میں جوہر فرد یہی ہے۔

شاطر مدراسی آں عالی دماغ — بخن پیرِ مغاں داوش ایاغ
مستیِ عقل ست مُضمر در سرش — جوہرِ حکمت چکد از ساغرش
پردہ دارِ جلوہ ہائے رازِ عشق — نقشبندِ معنیِ ”اعجازِ عشق“

اس موقعہ پر مجھے ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کا یہ قول یاد آتا ہے، جو انھوں نے غالب کی نسبت کہا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں ”مقدس وید“ دیوانِ غالب لیکن میں انمیں حضرت شاطر کی مثنوی اعجازِ عشق کا اضافہ بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت شاطر کا کلام چونکہ ادق اور فلسفیانہ ہوتا ہے اور اس میں تصوف کے حقائق و دقائق اور حکمت کے ایسے اسرار و غوامض پائے جاتے ہیں جو عام دسترس سے بالاتر ہیں اسلئے اکثر آپکے کلام کو بھی غالب کے کلام کی طرح مافوق الفہم سمجھتے ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ آپکا کلام زیادہ تر تلمیحات پر مبنی ہوتا ہے اور جنکے سمجھنے سے عامتہ الناس کے اذہانِ ایقان قاصر رہتے ہیں اس لئے وہ انکے ادراک و امکان سے بلند و باہر ہونے کے باعث عسیر الفہم ہو گیا ہے۔

ذیل میں آپکے کلام کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ اصحاب جنھیں کلام دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا مستفید ہو سکیں۔

ظاہر و باطن مرا ہے باطن و ظاہر ترا — تجھ سے میں ہوں آشکار اور مجھ سے تو ہے آشکار

نغمے اور نالے ہیں پوشیدہ نفس کے تار میں
عشق ہے مضراب اور انسان کا دل ہے ستار

آگے آگے اپنی ظلمت ہے تو پیچھے پیچھے اُڑ
کس طرف کھینچے لئے جاتے ہیں یہ لیل و نہار

اے محبت سینۂ عاشق ہے جولانگاہ برق
یاں خس و خاشاک ہرگز پا نہیں سکتے ہیں بار

ناصح ناداں نہ گھبرا زلزلے سے اس قدر
خاک کے نیچے کوئی لیتا ہے کروٹ بیقرار

حوصلہ تیرا پتنگے کو کہاں بلبل نصیب
جلکے ہو جاتا ہے ٹھنڈا بیوفائی کا شعار

انجمن میں ہم ہیں لیکن انجمن دل میں نہیں
زیبِ خلوتخانۂ دل ہے فقط تصویر یار

جب خدا ہم ہو نہیں سکتے تو بندے ہی بنیں
شیوۂ تسلیم مجبوری سے کرلیں اختیار

لامکاں بھی ایک زینہ ہے کسی کے بام کا
دل مکینِ لامکاں ہے اور مکینِ دل ہے یار

جذبِ ثقلی ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے ترا
دفترِ عالم کا شیرازہ ہے تجھ سے استوار

عشق کے مجرم کو دیتا ہے سزا خود اسکا دل
نفس لوامہ میں پوشیدہ ہیں دوزخ بیشمار

محتسب آخر خدا کے پاس جنت بھی تو ہے
کیوں فقط دوزخ پہ ہے تیری سیاست کا مدار

کارگاہِ دہر میں فعلِ عبث کوئی نہیں
ایک نے کھائی اگر ٹھوکر تو سنبھلے تین چار

دل وہ مقناطیس ہے زائل نہو جسکی کشش
زلزلے گو جسم کے کشور میں آئیں بیشمار

کشتگانِ عشق کو برزخ ہے زندانِ جہاں
زندگی کہتے ہیں جس کو موت کا ہے انتظار

عشق کی گرمی نہیں جس شے میں وہ نابود ہے
برف کی ٹکڑوں کی ٹکر سے بھی پیدا ہو شرار

ایک فانی دوسرے فانی پہ مرتا ہے یہاں
یہ عجب لے دہرِ فانی کی ہے اے پروردگار

تو نے عالم کی حقیقت کھولدی اے بیسکوپ
صفحۂ علمِ ازل کا آئینہ ہے روزگار

آنکھ جھپکی عرصۂ کون و مکاں طے ہو گیا
شہپرِ جبریل بالِ طائرِ دل پر نثار

ٹوٹنے والے ستارے ارض پر لائے حیات
سائنس کو کلون! اسی تحقیق پر ہے افتخار

مادہ اب تا قیامت سر اٹھا سکتا نہیں
برکلے کی تیغ استدلال کا اللہ رے وار

مہد سے لیکر لحد تک ہم وہی ہیں بالیقیں
سارے اجزا جسم کے بدلے اگرچہ بار بار

کیا عجب موجود ہوں سب عالمِ اصغر میں بھی　　جتنے عنصر عالمِ اکبر میں ہیں اے ہوشیار
بعد مُردن جب ہوا کشف غطا سمجھے یہ ہم　　بطنِ مادر کی طرح دنیا بھی ہے تاریک و تار
علمِ حق ہیں جو تجلی طور سے مخصوص تھی　　ہوتی کیونکر اس سے ظاہر گو جبل تھے بیشمار
بجلیاں تیغِ سکندر کی ہوئیں خاکِ سیاہ　　خامۂ ہومر کے گوہر آج تک ہیں نور بار

ماہیٔ باطل ہے تیغ اسکی بسانِ ذوالفقار　　حامیٔ حق ہمت اس کی مثلِ جودی استوار
ہے شہ مظلوم ایمان رضا جانِ ولا　　وہ خدا میں ہے فنا اس سے خدا ہے آشکار
جانِ عرفانِ علیؑ و قلبِ جذبِ فاطمہؑ　　پیکرِ انوارِ اخلاقِ حبیبِ کردگار
اس کی ہستی سے ہیں قدرت کے عجائب جلوہ گر　　اس کی ہستی سے ہے شانِ کبریائی آشکار
خون سے اپنے مٹائے قیصریت کے نقوش　　سر سے اپنے توڑ ڈالا جبریت کا حصار
نام کو بھی نقص اسکے کارنامے میں نہیں　　راتدن ہے روحِ سقراط اسکے مشہد پر نثار
آج بھی ملتا ہے میخانے سے اسکے جام ہو　　بس اسی پر ہے نجاتِ ابن آدم کا مدار
دلکو گرماتی ہے ابتک گرمیٔ خونِ حسینؑ　　ماتم اہلِ عزا سے کیا نہیں یہ آشکار
اسکا نانا سیّد الکونین ختم المرسلینؐ　　اسکی نانی پر تھا نانا کو بھی اسکے افتخار
اسکی ماں ہے فخرِ مریمؑ باپ ہے رشکِ مسیحؑ　　وہ پدر ہے نو اماموں کا جو تھے قطبِ مدار
اسکا بھائی ہے حسن میرِ جوانانِ بہشت　　جس کا پوتا غوثِ اعظم اولیا کا تاجدار
اسکی بہنیں وارثِ احوالِ معصومہ بتولؑ　　مختصر یہ سب کے سب ہیں خاصۂ پروردگار
ایکدن میں رنگ لایا اسکے معصوموں کا خون　　حارث حارص کی بدبختی پہ لعنت ہے سوار
کف میں خنجر۔ دلمیں شوقِ وصل۔ لب پہ نامِ حق　　فوج شہ کی یہ کراماتیں رہیں گی یادگار۔
واقعاتِ کربلا میں ہے قیامت کا اثر　　طورِ دل سے بہنے لگتی ہے بہشتی آبشار
ایک جانب خضر و موسیٰ اس اثر کا ذکر تھا　　سمجھے وہ آبِ بقا یہ سمجھے برقِ نور بار

پہلے پس جاتا ہے دل عاشق کا مہندی کی طرح
طور کی چوٹی سے پھر اٹھتا ہے بن کر لالہ زار
چاہِ یوسفؑ یاد ہے زندانِ یوسفؑ یاد ہے
یاد ہے یعقوبؑ کا فرقت میں رونا زار زار
آتشِ نمرود و رودِ نیل و آرہ یاد ہیں
یاد ہے وہ شاہِ طیر و انس و جن کا افتخار
یونسؑ و ایوبؑ کی ساری مصیبت یاد ہے
یاد ہے اک بندۂ مسکیں کے حق میں حکمِ دار
یاد ہے وہ دعوتِ حق وہ عنادِ اہلِ شرک
وہ مکانِ ارقم کا وہ شعب اور وہ ہجرت وہ غار
یاد ہیں بدر و اُحد۔ ہیں یاد احزاب و حنین
یاد ہیں صلحِ حدیبیہ کی شرطیں ناگوار
یاد ہے وہ ابتلائے جوع و خوف و نفس و مال
یاد ہیں فخرِ رسل کے بھی مصائب بے شمار
چلتی پھرتی میتیں اس نے بنا دی سیکڑوں
میں نے مُردوں کو اگر زندہ کیا تھا تین چار
دو جہاں کے نعمتیں انکی نظر میں خاک تھیں
یہ وہ پتلے خاک کے تھے جن پہ نوری ہیں نثار
کاش مجھ کو بھی شہادت ملتی مانندِ حسینؑ
کاش میرا خون بھی بنتا غازۂ رخسارِ یار
یاد اب آیا مجھے دنیا میں جانا ہے ضرور
اور مہدی کی مدد کرنا ہے وقتِ کارزار
کون ہے مہدی مجھے معلوم ہے معلوم ہے
کر نہیں سکتا ابھی یہ رازِ مخفی آشکار"
بولے جبریلؑ اب زمیں پر کچھ نہیں ہے میرا کام
دین پہنچا حدِ غایت کو بفضلِ کردگار
دولتِ صدیقؓ شمشیرِ علیؓ ۔ خونِ حسینؓ
مذہبِ کامل کو تینوں نے بنایا استوار
کان میں فرزند کے شاہِ دو عالم نے کہا
پہلے دونوں امتحاں ناقص تھے گو ہیں یادگار
مقصدِ تخلیقِ آدم تو نے پورا کر دیا
عشق کی تکمیل پر نازاں ہے حسنِ پائدار"
صورِ اسرافیلؑ سے آواز یہ آنے لگی
"خیر و شر کامل ہوئے اب حشر کا ہے انتظار
اب نہ گرائے قعرِ دوزخ نعرۂ ہل من مزید
ہو چکی فوجِ یزیدِ لعنتی تیرا شکار ؛
رو کے میکائیلؑ بولے مجھکو روکا شہ نے
ورنہ کوئی پیاس سے ہرگز نہ ہوتا بیقرار
کربلا میں سب لطیفے شاہ پر تھے منکشف
مثلِ ماضی حالِ مستقبل تھا شہ پر آشکار
حرکتیں شہ کی تھیں مثلِ حرکتِ اصحابِ کہف
مثلِ خضرؑ افعالِ شہ بھی تھے بحکمِ کردگار

مر گئے دکھوں سے لڑا کر کس لئے چند اہلِ دل   غور کر اسباب اور آثار پر اے ہوشیار
اور کوئی کربلا اس کو نظر آیا نہیں   گھومتی ہے روشنی گرد مکاں لیل و نہار
زائرانِ کربلا ہیں یا طلسماتِ شگرف   خاک بر سر، سوز در دل، آہ بر لب، اشکبار
جانتا ہوں میں تجھے اے کربلا اے کربلا   اے مری جاں اے خدا کی شان میں تجھ پر نثار
شکلِ رابع سے نتیجے کا ہے استخراج سہل   منطقِ شاعر سمجھ سکتا نہیں ہر ہوشیار

میت کو زمیں پہ سیر کرتے دیکھا   شیطان کو انسان سے ڈرتے دیکھا
دیکھا شق القمر زمانے میں ترے   سورج کو بھی ڈوب کر ابھرتے دیکھا

یہ مضامین حدیث شریف سے اخذ کئے گئے ہیں کہ میّت کو چلتے پھرتے دیکھنا ہو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا جائے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر شیطان بھاگ جاتا تھا یہ بھی حدیث شریف ہے چوتھے مصرع میں رجعتِ شمس کی طرف اشارہ ہے ۔

سمجھے اُمّی کو سنکے قرآں شاعر   دیکھا شق القمر تو جانا ساحر
مجنوں کہا کہ شعب سے نکلے جو رسول   کیا عقل کے دشمن تھے عرب کے کافر

حضرت شاطر نے اپنے مشرب کو نہایت لطیف پیرایہ میں اِسطرح بیان فرمایا ہے ۔

مشرب مرا توحید ہے مذہب اسلام   محرم مرشد ہے اور نعمانِ امام
فاروقی و قادری و چشتی ہوں میں   اور خواجہ نقشبند کا بھی ہوں غلام
کر دے گا وہ دلپر نقش اللہ کا نام

حضرت شاطرؔ، شعرائے اردو میں غالبؔ، انیسؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، محسنؔ کے کمالات شاعری کے معترف ہیں ۔

الفاظ کی بندش و فصاحت دیکھو   مضمون کی جدت و بلاغت دیکھو
ہے سہل ممتنع کلامِ اکبر   مجذوبِ الٰہی کی کرامت دیکھو

اردو میں ہے اچھے شعرا کی کثرت   کسکی نہیں کچھ نہ کچھ وطن پر منّت
لیکن اقبالؔ، انیسؔ، اکبرؔ، شاطرؔ   چاروں کا تخیل ہے مفیدِ ملت

اکبرؔ، اقبالؔ، محسنؔ اور شاطرؔ کی   تخئیل میں ہے عجب فلک وازی
ہاں غالبؔ وہ تو ہے طلسمِ معنی

آپ نے مثنوی اعجازِ عشق اور اسکے خاتمہ میں شاعری کی حقیقت نہایت دلکش انداز میں بیان فرمائی ہے۔ فاضل شاعر کو اس کا اچھی طرح احساس ہے کہ وہ اس دنیا میں کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنے کمالاتِ فن سے خوب آگاہ ہیں ۔

ہے مری تیغِ زباں شاطرؔ علی کی ذوالفقار   اور عصائے موسوی ہے خامہ معجز نگار
طائرِ سدرہ ہوں میں ہے کون میرا ہم صفیر   سمجھے گا کیا خاک تو نغمونکو میرے اے ہزار

اپنی قسمت پر تو اے امدراس بیحد ناز کر   خاک سے اٹھا ہے تیری اک فخرِ روزگار
کس کو خلاقِ معانی کا لقب زیبندہ ہے   کس کے اے شاطرؔ ہیں مخلوقاتِ فکری بے شمار
گر کسی شاعر کے مضموں سے توارد ہو کہیں   صاف آئیگا نظر دونوں میں فرقِ نور و نار

خاتمِ اہلِ سخن ہے شاطرِ حکمت شعار نکتہ سنجِ مصحفِ دل رازدانِ روزگار

یہ حقائق یہ دقائق اسکی قسمت میں نہ تھے گرچہ فیضی بھی تھا شاعر اور بڑا حکمت شعار

یہ مضامیں اور ہی کچھ ہیں وہ لفاظی تھی اور دعوئ باطل سے خاقانی ہر کیا کیا شرمسار

جس نے دیکھا غور سے شاطر کو اور اعجاز کو اُس نے عقلِ کُل کی ہستی مان لی بے اختیار

حضرت شاطر ایطا کو جائز سمجھتے ہیں آپکی اکثر رباعیوں میں ایطا واقع ہے ۔

آپکے کلام کی مختصر خصوصیات یہ ہیں کہ آپ مسائل حکمت و فلسفے میں خیام و فاریابی کے صحیح جانشین ہیں اور رموزِ تصوف کے بیان کرنے میں عطار و ثنائی، جذبات کی ترجمانی میں گوئٹے و غالب کے ہم پلّہ ہیں۔

آپکی شاعری کا جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کلام نہ صرف باطنی زمان و مکان اور خیالات و احساسات کی توضیح و تفسیر ہے بلکہ اس میں الہامی کیفیت پائی جاتی ہے۔ وہ تجلیات ربّانی کا کرشمہ ہے اور مبداءِ فیاض کا عطیہ ہے جو محض آپ سے مخصوص کیا گیا ہے ۔